مانا عزیز زبیدی (واربرٹن شیخوپورہ)

وامِ حدیث

حدود اللہ کا نفاذ

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال:

اِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللهِ خَيْرٌ مِنْ مَطَرِ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فِيْ بِلَادِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ۔ (رواہ ابن ماجہ باب اقامۃ الحدود ص۱۸۵)

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: اللہ کی حدوں میں سے ایک حد قائم کرنا چالیس دنوں تک بارش برسنے سے (کہیں) بہتر ہے۔"

ابن ماجہ اور نسائی کی ایک روایت میں ہے:

"حَدٌّ يُعْمَلُ بِهٖ فِي الْاَرْضِ خَيْرٌ لِاَهْلِ الْاَرْضِ مِنْ اَنْ يُمْطَرُوْا اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا" (ابن ماجہ باب اقامۃ الحد ص۲۵۶)

فرمایا: "روئے زمین پر جو حد نافذ کی جاتی ہے، وہ اہلِ زمین کے لئے چالیس دن تک کی بارش سے (کہیں) بہتر ہے۔"

دود اللہ سے غرض:

حدود اللہ کے نفاذ سے غرض امن و آشتی کا قیام، مال و جان کا احترام، تقدیس، طہارتِ نفس اور حقوق کی حفاظت ہے۔ اگر کسی ملک میں ان کا مسئلہ پیدا ہو جائے تو پھر وہاں باغ و بہار اور عیش فراواں کے باوجود طمانیت و سکون کی تلاش عبث ہو جاتی ہے ——— بلکہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ: جب حدود اللہ کی خلاف ورزی اور معصیت عام ہو جاتی ہے تو رحمت کی بارش بھی رک جاتی ہے۔

حدود اللہ کا نفاذ بندوں کے حق میں "بے رحمی" نہیں ہے بلکہ بے رحمی کے سدِ باب کیلئے ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ بے قابو سماج دشمن عناصر کو لگام دینے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی چارہ سازی ممکن ہی نہیں ہے۔ دورِ حاضر میں دنیا نے اپنی انہی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ اس کے سپوتوں نے اس کے انسداد کیلئے ہزار جتن کئے

مگر ــــــ ع　　مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

. . . کا ہی سماں طاری رہا ہے ۔

حد عذاب نہیں کفارہ ہے :

"عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

مَنْ اَصَابَ مِنْكُمْ حَدًّا فَعُجِّلَتْ لَهٗ عُقُوْبَتُهٗ فَهُوَ كَفَّارَتُهٗ وَاِلَّا فَاَمْرُهٗ اِلَى اللّٰهِ" (ابن ماجہ)

"وفی روایۃ ومن اصاب من ذالک شیئا فعوقب بہ فھو کفارتہ" (بخاری ص ۱)

"رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس شخص نے حد کا کوئی کام کیا، پھر دنیا میں اس کو حد پڑ گئی تو وہ اس کا کفارہ ہے، اگر حد نہ پڑی تو پھر بات اللہ کے اختیار میں ہے چاہے اسے بخش دے یا عذاب دے ۔"

لوگ سمجھتے ہیں کہ حد جاری کرنا عذاب ہے، حالانکہ یہ اس کا گناہ کا کفارہ ہے ۔ جس کی سزا "پھانسی" نہیں، اخروی آگ ہے ۔ پھانسی وغیرہ تو منٹ دو منٹ کا قضیہ ہے، لیکن آگ (العیاذ باللہ)! پیچھا چھوڑنے والی بلا ہے ـــــ ہاں اسے وہ لوگ عذاب تصور کرتے ہیں جو آخرت کی جزا، سزا پر یقین نہیں

اور ـــــ ع　　بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

. . . کا نظریہ رکھتے ہیں ـــــ بہرحال ایک تیر سے دو شکار ہوتے ہیں، جرائم اور مفاسد کے سد باب کیلئے راہ ہموار ہوتی ہے، دوسرا یہ کہ اس سزا کی بھینٹ چڑھنے والا خدا کے ہاں پاک صاف ہو کر جاتا ہے

یہ مردانِ کار کی توبہ ہے :

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ . . . قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِّمَتْ بَيْنَ سَبْعِيْنَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَوَسِعَتْهُمْ وَهَلْ وَجَدْتَ مِنْ اَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا"

(ابوداؤد ص ۲۴۱ باب المرأۃ التی امر النبی صلعم برجمھا من جھینۃ)

آپؐ نے فرمایا: "بخدا اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کی جائے تو ان سب کو کافی ہو جائے ۔ کیا آپ نے اس سے بھی کسی کو افضل پایا ہے جس نے (اس راہ میں) اپنی جان صرف کر ڈالی!"

دل سے ہو تو زبانی توبہ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے، لیکن اس توبہ کے کیا کہنے کہ اس سلسلے کے قانون کو پورا کرنے کے لئے اپنے آپ کو پیش بھی کر دیا جائے ۔ پہلی توبہ کی حیثیت رخصت کی ہے، دوسری مقامِ عزیمت ہے ۔ پہلی توبہ عام لوگوں کی توبہ ہے، دوسری توبہ مجاہد، مردانِ کار اور یہ ضمیر غیرت مند

زبان سے خدا سے عہد کرنا اور دل سے معافی مانگنا بھی "دلِ بیدار" کی نشانی ہے، لیکن جان دے کر خدا کو راضی کرنا چیزے دیگرے!

ٹوہ نہیں، چشم پوشی چاہتا ہے:

"عن زید بن اسلم قال . . . . قال: یا ایہا الناس قد آن لکم ان تنتہوا عن حدود اللّٰہ، من اصاب من ہذہ القاذورات شیئاً فلیستتر بستر اللّٰہ" (رواہ مالک باب ما جاء فیمن اعترف علی نفسہا بالزنا)

"فرمایا: لوگو! اب وقت آگیا ہے کہ تم اللہ کی حدوں سے باز رہو۔ (سنیے!) جو شخص ان گندگیوں میں سے کسی گندگی کا ارتکاب کرے تو اسے چاہیئے کہ اللہ کے پردے میں چھپا رہے۔"

بندوں کو تکلیف دینے کے لئے ان کے گناہوں کی ٹوہ میں پڑنے کی خدا اجازت نہیں دیتا اور نہ اس سلسلے میں مرتکب ہونے والے کو جلدی کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ کیونکہ گو یہ ایک عظیم مقام ہے، تاہم حوصلہ شکن اور آزاردہ ہے۔ اس لئے اس کا نظارہ بہرحال کچھ خوشگوار اور خوش آئند نظارہ نہیں ہے۔ اس لئے آپ کی خواہش رہی کہ عدالتِ عالیہ تک کیس پہنچنے نہ پائے۔ کیونکہ جب یہ کیس عدالتِ عالیہ تک پہنچ جاتا ہے، پھر اس کو چھوڑنا جائز نہیں ہوتا:

ان صفوان ابن امیۃ قیل لہ انہ من لم یہاجر ہلک فقدم صفوان بن امیۃ المدینۃ فنام فی المسجد وتوسد رداءہ فجاء سارق فاخذ رداءہ فاخذ صفوان السارق فجاء بہ الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اسرقت ہذا؟ قال نعم قال فامر بہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تقطع یدہٗ فقال لہ صفوان انی لم ارد ہذا یا رسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہو علیہ صدقۃ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فہلا قبل ان تاتینی بہ" (رواہ مالک باب ترک الشفاعۃ اذا بلغ السلطان)

"صفوانؓ بن امیہ سے کسی نے کہا کہ "جس نے ہجرت نہ کی وہ تباہ ہو گیا"۔ چنانچہ (یہ سن کر) صفوانؓ مدینہ تشریف لے آئے اور اپنی چادر سرہانے رکھ کر مسجد میں سو گئے کہ ایک چور نے آکر ان کی وہ چادر چرا لی۔ جس کو موقع پر پکڑ کر حضرت صفوانؓ بن امیہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ آپؐ نے اس سے پوچھا، "کیا تم نے اس شخص کی چادر چرائی ہے؟" اس نے کہا، "ہاں!" اس پر آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اب حضرت صفوانؓ بولے: "حضور!

میری یہ غرض نہیں تھی، میں اسے اس پر صدقہ کرتا ہوں" آپ نے فرمایا "تجھ کو یہ کام اسے میرے پاس لانے سے پہلے کرنا چاہیئے تھا"!

مقصد یہ ہے کہ اگر درگذر کرنا تھا تو مقدمہ پیش کرنے سے پہلے کر سکتے تھے۔ لیکن جب مقدمہ پیش ہو گیا تو پھر قانونی تقاضے بہرحال پورے ہونا چاہئیں۔ اب کسی حاکم یا حکمران کیلئے بھی جائز نہیں ہوتا کہ اسے چھوڑے:

"عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: تَعَافُوا الْحُدُودَ بَيْنَكُمْ فَمَا بَلَغَنِي مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ" (ابو داؤد باب العفو عن الحدود ص ۲/۱۴۱)

فرمایا "تم آپس میں حدوں کو معاف کر دیا کرو (لیکن) جب میرے پاس حد کا کیس پہنچ گیا تو پھر اب وہ فرض ہو گئی"۔

غرض یہ ہے کہ ترس کرنا ہے تو عدالت میں کیس لانے سے پہلے کر لیا کرو، منت سماجت کر کے، دے دلا کر یا معاف اور درگذر کر کے، لیکن جب عدالت میں کیس پیش ہو جائے تو پھر یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس سے کوئی دست بردار ہو ــــ کیونکہ اب کیس کی حیثیت سرکاری ہو جاتی ہے، کیس پیش کرنے والے کا اختیار سلب ہو جاتا ہے الّا یہ کہ خود شریعت نے اس کیلئے کوئی صورت تشخیص کی ہو۔

عدالت میں کیس پیش ہونے سے پہلے بھی کیس واپس لینا یا سفارش اور اپیل صرف اس وقت جائز ہوتی ہے جب مجرم عادی مجرم، فتنہ پرداز اور بدنام نہ ہو، ورنہ پرائیویٹ دائرے میں بھی ایسے کیس کے رفع دفع کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

"فاما قبل بلوغہ الی الامام فقد اجاز الشفاعۃ فیہ اکثر العلماء اذا لم یکن المشفوع فیہ صاحب شر واذی للناس" (نووی شرح مسلم ص ۲/۶۴)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک عہد میں ایک خاتون بدنام اور عادی مجرم مشہور تھی، اس نے جب چوری کر لی تو اس کیس کے رفع دفع کرنے کی ساری کوششیں ناکام ہو گئیں، کیونکہ ایسے مجرم پر ترس کرنا قوم اور ملک پر ظلم ہوتا ہے۔ . . .

"عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ الزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ لَقِيَ رَجُلًا قَدْ اَخَذَ سَارِقًا وَهُوَ يُرِيدُ اَنْ يَذْهَبَ بِهٖ اِلَى السُّلْطَانِ فَشَفَعَ لَهُ الزُّبَيْرُ لِيُرْسِلَهُ فَقَالَ لَا حَتّٰى اُبْلِغَهُ بِهٖ اِلَى السُّلْطَانِ فَقَالَ لَهُ الزُّبَيْرُ اِذَا بَلَغْتَ بِهٖ اِلَى السُّلْطَانِ فَلَعَنَ الشَّافِعَ وَالْمُشَفِّعَ" (موطا امام مالک ص ۶۹۰)

حضرت ربیعہؒ سے روایت ہے کہ حضرت زبیرؓ نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو چور کو پکڑ کر خلیفہ کے پاس لیے چلا تھا حضرت زبیرؓ نے سفارش کرتے ہوئے اسے چھوڑ دینے کو کہا، اس نے جواب دیا، حاکم کے پاس پہنچائے بغیر اسے نہیں چھوڑونگا، حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ جب آپ اسے لیکر حاکم تک پہنچ گئے تو پھر سفارش کرنے اور سفارش قبول کرنے والے پر خدا کی لعنت!"

عدالت میں کیس پیش ہونے کے بعد مجرم کے حق میں سفارش کرنے اور اسے قبول کرنے والے پر خدا تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ لیکن افسوس، آجکل یہ کاروبار یوں جاری ہے جیسے یہ بھی کوئی کارِ خیر ہے۔ بہرحال سفارش کے اس کارِ بد سے عدل وانصاف کے تقاضے جس قدر غلط متاثر ہوئے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

باا ثر لوگوں کے کیس:

"عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

"اَقِیْلُوْا ذَوِی الْہَیْئَاتِ عَثَرَاتِہِمْ اِلَّا الْحُدُوْدَ" (ابوداؤد)

فرمایا: "ذی جاہ لوگوں کی لغزش سے درگزر کیا کرو، ہاں حدود کی بات اور ہے"

مگر یہ روایت ضعیف ہے، اور اس کا جو مفہوم بیان کیا گیا ہے وہ یہ بتایا گیا ہے کہ نامور نیک لوگوں سے اگر پہلی بار لغزش ہو جائے تو ان کے پیچھے نہ پڑ جایا کرو، یہ انسانی کمزوری ہے، لغزش ہو ہی جاتی ہے تاہم حدود اللہ کا کیس ہو تو پھر ان سے بھی عدسے گزرنا جائز نہیں ہے ____ بلکہ حکم ہے کہ اگر کسی با اثر فرد نے کوئی شرعی حد توڑی ہے تو اس سلسلے میں سفارش اور اپیل کرنا شرعاً حرام ہے!

"عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اَنَّ اُسَامَۃَ کَلَّمَ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ امْرَاَۃٍ فَقَالَ اِنَّمَا ہَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ اَنَّہُمْ کَانُوْا یُقِیْمُوْنَ الْحَدَّ عَلَی الْوَضِیْعِ وَیَتْرُکُوْنَ عَلَی الشَّرِیْفِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ اَنَّ فَاطِمَۃَ فَعَلَتْ ذَالِکَ لَقَطَعْتُ یَدَھَا" (بخاری باب اقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع ص۱۰۰۳ ج۲)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک (چور) عورت کے سلسلے میں سفارش کرتے ہوئے حضرت اسامہؓ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو آپؐ نے فرمایا،

"تم سے پہلی قومیں (بھی اسی طرح) ہلاک ہوئیں کہ ادنیٰ اور کمزوروں پر تو حد ضرور جاری کیا کرتے تھے (لیکن) معزز لوگوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے، بخدا! اگر فاطمہؓ بھی ایسا کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا!

یہ وہ لعنت ہے جو اب مسلمان ملکوں میں بھی عام ہے، امراء اور جاگیرداروں کو کوئی پوچھتا نہیں،

خواہ وہ کچھ کر گزریں، لیکن عام لوگوں کی بات آجائے تو سارے ان پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ اسلام میں یہ ایک سنگین بات ہے۔ بہرحال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاں اس ناروا "امتیاز" کیلئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں تھی۔ بلکہ آپؐ نے اس پر اس قدر برہمی کا اظہار فرمایا تھا کہ حضرت اسامہؓ کانپ اٹھے تھے۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر اور عظیم ہستی کیا ہو سکتی ہے، لیکن رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا ذکر فرما کر یہ واضح کر دیا کہ قانون سے بالاتر کوئی شخص نہیں ہے، بلکہ خود رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اپنے آپ کو بھی قانون سے بالاتر قرار نہیں دیا تو پھر حیرت ہوتی ہے کہ دنیا بعض لوگوں کو اتنی اہمیت کیوں دیتی ہے کہ وہ ملکی قانون پر بھی بھاری ہو رہیں بلکہ پیغمبر خدا اور خلیفۃ المسلمین جب اپنے آپ کو قانون سے بالاتر نہیں رکھ سکے تو دوسرے کو مسلم اس کا حق کیوں دیتے ہیں؟ اس کے معنے تو یہ ہوئے کہ وہ اسے خدا کے درجہ پر فائز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ مسلم تو بت شکن فطرت لے کر آیا ہے، بت گری، بت نوازی اور بت پرستی اس کی سرشت کے مخالف ہے۔

جناب جنرل ضیاء الحق اسلامی احکام کے نفاذ کے ایک عظیم داعی ہیں، وہ ملک میں اس کی بسم اللہ کر رہے ہیں۔ اس سٹیج پر انہیں ایک مثالی کردار پیش کرنا ہے۔ کیونکہ یہاں پر شریعت کے نفاذ کی جتنی ضرورت ہے اس سے کہیں زیادہ اسے مؤثر حیثیت میں پیش کرنے کی ہے کہ وہ بے لوث ہو، بے لاگ ہو اور بلا امتیاز ہو۔ قانون یک چشم اور فالج زدہ نہ ہو۔ اس کے نفاذ میں "رو رعایت" کی ریت ختم ہونی چاہیئے۔ خاص کر سفارش کر کے جو لوگ قانون کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں، ان کے لئے کوڑوں جیسی سزاؤں کا نفاذ بہت ضروری ہے۔ اگر محض بااثر ہونے کی وجہ سے کوئی شخص قانون کی زد میں سے بچ نکلا اور وہ بھی جنرل ضیاء کے ہوتے ہوئے، تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان اسلامی احکام کا بھی خدا حافظ، جن کے نفاذ کیلئے بلند بانگ دعاوی کئے جا رہے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۴۸ سے آگے:

مندرجہ بالا تقابل سے کئی طرح کے اعتراضات اور خدشات ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر بیت المال سے متعلقہ صحیح اعداد و شمار میسر آجائیں اور عملاً بھی اسلامی نظام معیشت رائج ہو جائے تو یقیناً بدرجہا بہتر نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔